ساختیات اور ادب

ابتدائی باتیں

پچھلی چند دہائیوں میں ادب کی دنیا میں اتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ رائج ادبی نظریات کو (جن میں زیادہ تر عقلِ عام Common sense سے متعلق ہیں) جس ذہنی چیلنج کا سامنا ہے، اب اسے نظرانداز کرنا آسان نہیں رہا۔ ساختیات structu-ralism نے نہ صرف زبان و ادب کی ماہیت کے بارے میں، بلکہ ذہنِ انسانی کی کارکردگی کے بارے میں، یعنی ذہنِ انسانی اعلام و اشیا کو کس طرح دیکھتا ہے، اور حقیقت کا ادراک کس طرح کرتا ہے، ان مسائل کے بارے میں جو بنیادی سوال اٹھائے ہیں اور ادبی متن، معنی کی نوعیت، قاری کے کردار نیز قرأت کے عمل کے بارے میں جو ریڈیکل نقطۂ نظر پیش کیا ہے، پچھلی تین دہائیوں سے وہ بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ عہدِ حاضر کے فکر و فلسفے میں ساختیات اور پس ساختیات Post structuralism کی جڑیں اس حد تک پیوست ہو چکی ہیں کہ اب ان کے اثرات اور فلسفیانہ چیلنج سے آنکھیں بند کرنا خود فریبی میں مبتلا ہونا ہے۔ علم کی دنیا میں کسی نظریے سے اختلاف کرنے کے لیے بھی اس کے مبادیات کا جاننا بہت ضروری ہے۔ صدیوں سے زبان کی نوعیت، مصنف کی ذات، معنی کی کارکردگی اور ادراکِ حقیقت کے بارے میں جو

ماورائی تصورات رائج چلے آرہے تھے، ساختیات نے ان پر کاری ضرب لگائی ہے اور ایسے بنیادی نئے سوال اٹھائے ہیں جن کا جواب مروجہ نظریات کے پاس نہیں ہے۔

عام ادبی نظریات کو چیلنج

اوّل یہ کہ ادب کی دنیا میں بالعموم جو تصوّرات رائج ہیں، مثلاً یہ کہ ادب زندگی کی سچائی کا اثبات ہے یا ادب زندگی کی ترجمانی کرتا ہے، یا ادب زندگی کے تجربات کا عکس ہے، یا ادب مصنف کی ذات کا اظہار ہے، یہ سب تصورات من حیث کل، کامن سنس (Common Sense) تصورات کہے جاتے ہیں۔ یعنی وہ تصوّرات ہیں جو عقلِ عام کے مطابق یا سامنے کے ہیں، یا جنھیں عقل فطری طور پر صحیح مانتی آئی ہے، اور صدیوں سے قبول کرتی آئی ہے۔ ساختیاتی اور پس ساختیاتی فکر نے ان تمام مفروضات کو نظریاتی اعتبار سے چیلنج کیا ہے، اور نہ صرف ان پر، بلکہ خود عقلِ عام کے اختیار و اقتدار پر سوال قائم کیے ہیں۔ عقلِ عام ارتقائے انسانی کے صدیوں کے تجربے پر مبنی ہے۔ اسے ہم ہر چیز کی کسوٹی سمجھتے ہیں۔ یہ ہر اس چیز کا ماخذ اور گارنٹی ہے جسے ہم بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن ساختیاتی فکر نے ثابت کیا ہے کہ وہ چیز جسے 'کامن سنس' یا 'عقلِ عام' کہا جاتا ہے، بجائے خود ایک آئیڈیولوجیکل (Ideological Construct) ہے جو تاریخی حالات پر مبنی ہے' اور سماجی عوامل کی شراکت میں عمل آرا ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو بات سامنے کی ہے اور 'فطری' دکھائی دیتی ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ اصلاً ایسی ہی ہو۔ یعنی اصلاً کوئی بات فی نفسہٖ واضح یا فطری نہیں ہے۔ کسی چیز کا واضح یا فطری معلوم ہونا قائم بالذّات نہیں ہے، بلکہ مخصوص حالات میں مخصوص طور طریقوں سے وہ ایسی بن گئی ہے کہ واضح یا فطری معلوم ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ ادب میں جو نظریہ سب سے زیادہ عام فہم اور فطری سمجھا جاتا ہے' وہ حقیقت نگاری (Realism) کا نظریہ ہے۔ ساختیات نے سب سے زیادہ سوال اسی پر قائم کیے ہیں۔ ساختیاتی و پس ساختیاتی مفکرین نے اپنے اپنے طور پر

اس مفروضے کو غلط ثابت کیا ہے کہ 'موضوعیت' یعنی ذہنِ انسانی یا نفسِ انفرادی معنی اور عمل کا منبع و ماخذ یا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ صدیوں سے چلے آرہے تصورات کہ فن پارہ سچّائی کا بیان کرتا ہے، یا متن مصنف کی بصیرت کا اظہار کرتا ہے، یا یہ کہ 'موضوعیت' فن پارے کے وحدانی اور مقتدر معنی کا تعیّن کرتی ہے، غور و فکر کے لیے دوبارہ کھول دیے گئے تھے، کیونکہ سوسیئر کے خیالات کے نتیجے کے طور پر جو فلسفہ وجود میں آیا ہے، اس کی رو سے وہ بنیادیں جن پر یہ مفروضات قائم تھے، متزلزل ہو گئی ہیں (سوسیئر کی فکر سے بحث آگے آئے گی)۔

تیسرے یہ کہ عقلِ عام کے فیصلے عام فہم یا سامنے کے یا قابلِ قبول اسی لیے معلوم ہوتے ہیں کہ وہ اس زبان کے اندر 'لکھے ہوئے' ہیں جسے ہم بولتے ہیں۔ سوسیئری یا ساختیاتی فکر نے سب سے پہلے اسی مسئلے کو لیا ہے کہ اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت زبان شفاف (Transparent) میڈیم نہیں ہے، یعنی ایسی چیز نہیں ہے جس کے آر پار دیکھا جا سکے بلکہ زبان سرے سے میڈیم ہی نہیں ہے، زبان محض فارم ہے جو اشیا اور افراد کی دنیا کو تشکیل (Construct) کرنے کا اور اشیا کو ان کے تفریقی رشتوں کے ذریعے پہچاننے کا امکان ہے۔ زبان اشیا کو اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ زبان کے شفاف ہونے کا تصوّر فریبِ حواس اور واہمہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

چوتھے یہ کہ سوسیئری فکر نے زبان کے عام فہم تصوّر کے ساتھ ساتھ آئیڈیولوجی کے عام فہم تصوّر کو بھی چیلنج کیا ہے۔ آئیڈیولوجی عقائد کا ہم آہنگ مجموعہ یا اصولوں کا ضابطہ نہیں ہے جیسا کہ بالعموم سمجھا جاتا ہے، بلکہ بقول مارکسی مفکر آلتھیوسے آئیڈیولوجی کوئی باہر سے لادی ہوئی یا اوڑھی ہوئی چیز ہے ہی نہیں ہے جسے شعوری طور پر افراد بالارادہ اختیار کرتے ہوں، بلکہ یہ دنیا کے ہمارے تجربے کی شرط ہے، یعنی یہ وہ سماجی سیاسی حالت ہے جس میں ہم زندگی گزارتے ہیں اور یہ لاشعوری ہے کیونکہ بالعموم ہم اسے بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ ساختیاتی فکر 'سوسائٹی' یا سماج کی پرانی تعبیر کو بھی رد کرتی ہے۔ آئیڈیولوجی سیاسی معمولات اور معاشیاتی معمولات کے ساتھ مل کر عمل آرا ہوتی ہے اور

'سماجی تشکیل' (Social Formation) کو وجود میں لاتی ہے۔ سوسائٹی سے بالعموم ایک ہم آہنگ، مرتب اور مربوط وجود کا تصوّر پیدا ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس کے برعکس 'سماجی تشکیل' انسانی رشتوں اور اثرات کی پیچیدگی اور ان کی ریڈیکل توجیہہ کے لیے نسبتاً بہتر تصور فراہم کرتی ہے، اس لیے ساختیاتی فکر بجائے سوسائٹی کے 'سماجی تشکیل' کے تصور پر اصرار کرتی ہے۔

چھٹے یہ کہ ساختیاتی فکر آئیڈیولوجی اور زبان کے رشتے کی بھی نئی توجیہہ کرتی ہے۔ آئیڈیولوجی فی نفسہٖ وجود نہیں رکھتی، یہ جو کچھ بھی ہے، زبان کے 'ڈسکورس' کے اندر 'لکھی ہوئی' ہے یعنی موجود ہے۔ 'ڈسکورس' سے مراد وہ مبرہن بیان ہے جو بولنے والے اور سننے والے کے بعض مشترک مفروضات پر قائم ہوتا ہے، جو اسے اس کی مخصوص حیثیت عطا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ادبی ڈسکورس، قانون کے ڈسکورس سے یا کیمیا کے ڈسکورس سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ ایک کے مفروضات دوسرے کے مفروضات سے الگ ہیں۔ آئیڈیولوجی ڈسکورس میں لکھی ہوئی اس لیے ہے کہ وہ لفظاً و معناً اس کے ذریعے بولی یا لکھی جاتی ہے۔ آئیڈیولوجی خیالات کا سیال تصوّر نہیں ہے جو آزادانہ وجود رکھتا ہو بلکہ سوچنے، بولنے اور زندگی کرنے کا طریقہ ہے جو زبان ہی کے ذریعے متشکل ہوتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کوئی امر واقعہ بیان کیا جائے تو وہ بیان 'ڈسکورس' نہیں ہے۔ وہ 'روداد' یا بیانِ محض ہے۔ لیکن جب بیان میں 'موضوع' یعنی بولنے والے کا تداخل ہو اور راوی اور سامع (یا مصنف اور قاری) کا تصوّر در آئے، نیز یہ منشا بھی کہ سامع (یا قاری) کو بدلیل متاثر کرنا مقصود ہے، تو ایسا بیان، بیانِ محض نہیں، 'ڈسکورس' ہے آئیڈیولوجی اس 'ڈسکورس' کے اندر 'لکھی ہوئی' ہے، اس کے باہر وجود نہیں رکھتی۔

ادب کے عام فہم رائج نظریات کے ضمن میں اس وضاحت کی بھی ضرورت ہے کہ ادب کے بارے میں جتنے تصورات رائج رہے ہیں، ان میں سے بعض کے بارے میں خواہ کتنا اصرار کیا جائے کہ وہ انتخابی (Eclectic) نوعیت کے ہیں، اور کسی خاص نظریے سے وابستہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ ان میں ہر تصوّر کچھ نہ کچھ نظریاتی بنیاد ضرور رکھتا ہے، اس لیے کہ ادب اور آرٹ کی دنیا میں معصوم موقف ممکن ہی

نہیں۔ اور تو اور صدیوں سے چلے آرہے وہ نظریے اور وہ اصول بھی جو 'عقلِ عام' پر مبنی ہیں، یعنی ان کے رائج چلے آنے کی ضمانت یہ ہے کہ وہ عقلِ عام کے مطابق ہیں، یا فطری اور صحیح معلوم ہوتے ہیں، وہ بھی کسی نہ کسی نظریے یا تصوّر پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر عقل مانتی چلی آئی ہے کہ انسان کی ذات اور اس کا ذہن و شعور معنی، عمل اور تاریخ کا منبع و ماخذ ہے، اس یقین نے 'ہیومنزم' (Humanism) اور اس سے ملتے جلتے تمام نظریات کو رواج دیا۔ اسی طرح یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہمارے خیالات، احساسات اور ہمارا علم ہمارے تجربے کا نتیجہ ہیں۔ اس یقین نے 'تجربیت' (Empiricism) کو پیدا کیا۔ مزید یہ کہ انسانی تجربے پر انسان کے ذہن و شعور کی مہر لگی ہوئی ہے، اور نفسِ انفرادی ماورائی شعورِ کلی کا حصّہ ہے اور یہ جوہر (Essence) انسان کی پہچان ہے۔ ان خیالات نے فلسفے میں مثالیت (Idealism) کو فروغ دیا اور ان سب اعتقادات و تصوّرات نے مل کر ادب کی دنیا میں اس نظریے کو پیدا اور قائم کیا جسے بالعموم حقیقت نگاری (Realism) سے موسوم کیا جاتا ہے، یعنی ادب ذات یا زندگی کی عکاسی کرتا ہے یا ادب حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے یا ادب کا کام زندگی کی سچائی کا بیان ہے، یا ادب کا کام زندگی کے بارے میں آگہی اور بصیرت میں اضافہ کرنا ہے، وغیرہ۔ اس کی ابتدا ارسطو کے 'آرٹ بطور نقالی' (Art as mimesis) کے نظریے سے ہوئی، یعنی آرٹ حقیقت کی نقل ہے۔ یورپ کے نشاۃ الثانیہ کے دور میں یہ نظریہ راسخ ہو گیا۔ بعد میں 'رومانیت' (Romanticism) کے نظریے سے مل کر اس نے 'اظہاری حقیقت نگاری' (Expressive Realism) کی شکل اختیار کی کہ 'شاعری پُرجوش جذبات کا بے اختیارانہ اظہار ہے، جو اُن اشخاص کے ذریعے ظہور پذیر ہوتا ہے جو غیر معمولی حسّیت سے متصف ہوں'۔ (ورڈزورتھ) حقیقت نگاری اور اظہاری حقیقت نگاری کے یہ اور ان سے ملتے جلتے خیالات نظریاتی اعتبار سے 'تجربی — مثالی' (Empiricist Idealist) رویوں پر مبنی ہیں اور یہ سب کے سب 'کامن سنس' یعنی عقلِ عام سے جڑے ہوئے ہیں۔ ساختیاتی فکر کی رو سے چونکہ عقلِ عام وہ نہیں ہے جو یہ بالعموم خیال کی جاتی ہے، اس لیے ان سب نظریات

پر سوالیہ نشان قائم ہو جانا لازمی ہے۔ ساختیاتی فکر نے صدیوں کی اس روایت کو چیلنج کرتے ہوئے زبان، زندگی، اور ادب کے بارے میں سوچنے کی نہج بدل دی ہے۔

ساختیات بطور ذہنی تحریک

اکثر مفکرین نے ساختیات کو فکری انتشار میں ارتباط پیدا کرنے والی ذہنی تحریک (Movement of Mind) قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی کے نصفِ آخر اور بیسویں صدی کے نصفِ اوّل میں فکرِ انسانی تخصیص کے مختلف میدانوں میں بٹ بٹا کر اس حد تک پارہ پارہ ہو گئی تھی کہ اس میں کسی طرح کی کوئی شیرازہ بندی ممکن نظر نہیں آتی تھی۔ اور تو اور خالص فلسفہ بھی جسے علومِ انسانیہ کا بادشاہ کہا جاتا ہے، وہ بھی لفظوں کے الگ تھلگ جا پڑنے والے کھیل میں لگ چکا تھا۔ وٹگنسٹائن کا فلسفۂ لسان ہو یا یورپی مفکرین کی وجودیت، اصلاً یہ سب مراجعت کے فلسفے (Philosophies of Retreat) ہیں۔ زبان کے فلسفیوں نے اصرار کیا کہ زبان میں اور اس سے باہر کی دنیا میں کوئی ممکنہ مناسبت نہیں ہے، اور وجودیت پسند مفکرین ایک ایسے ایقان کی بات کرتے ہیں جو یکہ و تنہا ہے، اور جو نہ صرف اشیا سے بلکہ دوسرے انسانوں سے بھی وجود کی ایک لغو حالت میں کٹا ہوا ہے — برٹنڈ رسل کی منطقی فکر سے سارتر کے Nausea تک اس صدی کے نصفِ اوّل میں انسان کی ذہنی زندگی ایک انتشار کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ مختلف علوم الگ الگ مفروضات پر قائم تھے، اور نہ صرف ایک دوسرے کو نظر انداز کرتے تھے، بلکہ باہم دگر متضاد رویّوں کے حامل بھی تھے۔

ان حالات میں ساختیات ایک ایسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وجود میں آئی کہ تمام انسانی فلسفوں میں ارتباط پیدا کر سکے — یہ ایک اعتقادی ضرورت بھی تھی۔ انسان کو ہمیشہ ایک 'اعتقاد کی ضرورت رہی ہے، خواہ اس کا معیار کچھ بھی ہو۔ اس سے قبل مارکسزم نے اس ضرورت کو پورا کرنے کا خواب دکھایا تھا بے شک مارکس نے سماج کی ساخت اور تاریخ کے عمل کے بارے میں فکر کی

ایسی راہ دکھائی جس نے انسانیت کو شدید طور پر متاثر کیا، لیکن بطور ایک 'عقیدے' کے مارکسزم کی معذوریاں ڈھکی چھپی نہیں۔ مارکسزم اور ساختیات کا یہ فرق نظر میں رہنا چاہیے کہ مارکسزم بہرحال ایک آئیڈیولوجی ہے جب کہ ساختیات فقط ایک فلسفیانہ اصول اور طریقہ، کار ہے۔ بطور طریقہ، کار ساختیات کی فکری نہج ایسی ہے کہ ایک نظام کے تحت لاکر تمام سائنسوں میں ربطِ باہمی پیدا کیا جائے۔ ساختیات نے پچھلی تین دہائیوں میں مختلف علومِ انسانیہ کو متاثر کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مارکسیت اور ساختیات میں کچھ اقدار مشترک بھی ہیں۔ بالخصوص علمیات (Epistemology) کے معاملے میں موضوعِ انسانی اور اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کے رشتے کے بارے میں سوچنے کا عمل، لیکن دونوں کا طریقہ، کار اور توقعات الگ الگ ہیں۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو مارکسیت اور ساختیات دونوں جدیدیت کی اجنبیت (Alienation) اور یاسیت (Despair) کے خلاف ہیں۔ مارکسیت اور ساختیات کے مقاماتِ اشتراک اور اختلافات کی بحث آگے آئے گی۔ لیکن سرِ دست اتنا جاننا ضروری ہے کہ دونوں اس سائنسی رویے پر اصرار کرتے ہیں کہ یہ دنیا حقیقی ہے، اور انسان اس کو سمجھ سکتا ہے۔ مارکسیت اور ساختیات دونوں دنیا کے انتشارِ ظاہری میں تصوراتی ربط پیدا کرنے کے نظریے ہیں۔ دونوں دنیا اور انسان کو بطورِ کُل دیکھتے ہیں۔

ذہنِ انسانی کی فکری کاوشوں میں ایک بنیادی ربط پیدا کرنا انیسویں صدی کے اواخر سے فلسفے کا شدید مسئلہ رہا ہے۔ نفسیات میں گیسٹالٹ نفسیات نے انسانی ذہنی عمل میں اجزا کے مقابلے میں کل کی اولیت اور بنیادی حیثیت پر زور دے کر سوچنے کے عمل کی ایک نئی راہ کھول دی۔ مظہریت کی رو سے ہوسرل نے زور دیا کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے، یعنی ہر چیز جیسی دکھائی دیتی ہے ویسی نہیں ہے، چنانچہ تصورات بھی وہ نہیں جو بالعموم معلوم ہوتے ہیں۔ نظریۂ اضافیت (Theory of Relativity) اور کوانٹم تھیوری (Quantum Theory) کی دریافتوں نے یہ ثابت کر دیا کہ حقیقت اتنی بصارت پر نہیں جتنی ادراک یا بصیرت

پر مبنی ہے۔ خوارج کو اتمٹ وحدتیں ہیں جو ٹھوس وجود نہیں رکھتے بلکہ دیکھنے کے عمل میں
وجود میں آجاتے ہیں۔ ساختیات یہی کہتی ہے کہ یہ دنیا آزادانہ اشیا سے عبارت نہیں
اور زبان اشیا کو نام دینے یا اسمیانے والا نظام نہیں ہے، یعنی زبان
Nomenclature نہیں ہے جو لفظ = شے کے مبینہ رشتے پر مبنی ہو، بلکہ
اشیا کے نام یا معنی 'ساخت' سے پیدا ہوتے ہیں جو نظروں سے اوجھل ہے۔ ساختیات
کا سب سے زیادہ زور اسی بات پر ہے کہ کائنات رشتوں کے نظام سے عبارت ہے،
بغیر رشتوں کے نظام کے کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔ ہم اشیا کا ادراک تبھی کر پاتے ہیں
جب اشیا کو رشتوں کے نظام یعنی ان کی ساخت کی رو سے دیکھتے ہیں خواہ ہمیں اس
کا احساس نہ ہو۔ ساخت کا عمل ذہنِ انسانی کی کارکردگی کا بنیادی رمز ہے۔

وٹگنسٹائین ہر چند کہ انسانی علم کے امکانات کے بارے میں زیادہ پُر امید نہیں تھا،
اس کے فلسفے سے بھی خارجی دنیا کے تئیں ساختیاتی structuralist نہیں
تو ساختی structural رویہ ضرور اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ساختیات بہر حال
اپنے وسیع معنی میں دنیا اور اشیا کو الگ الگ نہیں، بلکہ ان کے رشتوں کے نظام کی
رو سے سمجھنا چاہتی ہے۔ ونگسٹائین کا اصرار ہے کہ "دنیا اشیا سے نہیں 'حقائق' کی
مجموعیت سے عبارت ہے، اور 'حقائق'، 'صورتِ حال' ہیں:

2.03 In a state of affairs objects fit into one another like the links of a chain

2.031 In a state of affairs objects stand in a determinate relationship to one another

2.032 The determinate way in which objects are connected in a state of affairs is the structure of the state of affairs.

2.033 Form is the possibility of structure.

2.034 The structure of a fact consists of the structures of states of affairs.

2.04 The totality of existing states of affairs is the world.

(Tractatus Logico Philosophicus, London, 1953)

ہر صورتِ حال اپنے اظہار کے لیے 'کلمہ' کی محتاج ہے، اور کلمے کا مطالعہ، زبان کے اندر دوسرے کلموں سے اس کی مطابقتیں اور رشتے، اور ان رشتوں کے کلی نظام کا تصور جدید لسانیات کا مرکزی تصور ہے جس کی بنا پر نوام چومسکی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ انسان فطری طور پر زبان کے امکانات کو ایک خاص وضع سے منظم کرنے اور ان کو بروئے کار لانے کی خلقی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کسی نہ کسی طرح کی 'آفاقی گرامر' میں شریک ہے، جس کی رو سے اس کے لیے اپنی زبان کو خلق کرنا، ضرورت کے مطابق نئے گرامری کلمے وضع کرنا اور انھیں ترسیل کے لیے استعمال کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ سوسیئر نے زبان کے بارے میں اپنے کلیدی خیالات پیش کرتے ہوئے یا زبان کی کلی ساخت کے تصور کو نظریہ بند کرتے ہوئے گیسٹالٹ نفسیات اور فلسفیانہ فضا اور فکرِ انسانی پیش رفت سے کچھ نہ کچھ اثر ضرور قبول کیا ہوگا۔ آگے چل کر لیوی سٹراس نے جو سوسیئر سے شدید طور پر متاثر تھا، بشریات کے بارے میں کہا 'کسی متھ کے اصل اجزائے ترکیبی اس کے الگ الگ رشتے نہیں بلکہ ان رشتوں کے مجموعے ہیں، اور یہ رشتے بطور مجموعہ ہی کارگر ہوتے ہیں اور معنی پیدا کرتے ہیں'۔ لیوی سٹراس بشریات کو 'رشتوں کے عمومی نظریے' کا نام دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ تمام انسانی ذہنی عمل اصلاً آفاقی قوانین کے تابع ہے جو انسانی علامتی تفاعل میں ظاہر ہوتے ہیں، اور تو اور انسانی لاشعور بھی ان قوانین کی میزان سے مناسبت رکھتا ہے۔

ادبی تنقید میں روسی ہیئت پسندوں اور ان کے بعد آنے والے ساختیاتی مفکرین نے ان آفاقی اصولوں کو دریافت کرنے کی کوشش کی جو زبان کے ادبی استعمال کو فکشن کی صرف و نحو سے لے کر شاعری کے زمروں تک ہر شے کو متعین کرتے ہیں۔ ساختیاتی فکر کا سرچشمہ بہرحال لسانیاتی ماڈل ہے جس نے اپنی ترغیباتِ ذہنی بنیادی طور پر سوئس ماہر لسانیات سوسیئر، روس نژاد رومن جیکب سن، اور روسی ماہرِ صوتیات این۔ ایس۔ تروبت زکائی، نیز فرانسیسی ماہرِ بشریات لیوی سٹراس سے حاصل کیں۔ ۱۹۳۳ء میں (جب روسی ہیئت پسندی کی تحریک تقریباً ختم ہو چکی تھی) تروبت زکائی پراگ میں اپنے ضابطۂ علم یعنی صوتیات کے فکری کارنامے کے بارے

میں یہ سطور لکھ رہا تھا :

" صوتیات کے جدید علم کی خصوصیتِ خاصہ اس کا آفاقیت کے نقطۂ نظر سے منظم ہونا اور اس کا ساختیاتی ہونا ہے ۔ جس عہد میں ہم رہ رہے ہیں، اس کا تمام سائنسی علوم سے یہ تقاضا ہے کہ فلسفے کی اصطلاح میں ذریت کو ساختیت اور انفرادیت کو آفاقیت کے تصوّر سے بدل دیا جائے ۔ یہ رجحان کیمیا ، حیوانیات ، نفسیات ، معاشیات ، وغیرہ ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے ۔ جدید صوتیات اس معاملے میں تنہا نہیں ہے، یعنی ہماری کاوشیں وسیع تر سائنسی تحریک کا حصہ ہیں ..." (بحوالہ شولز ، ص ۳ - ۷)

تروبت زکائی نے جس تحریک کا ذکر کیا ہے آگے چل کر اس نے بطورِ ذہنِ انسانی کی ایک عمومی تحریک کے ادب اور ادبی فکر کو شدید طور پر متاثر کیا ۔ انسان کی تاریخ شاہد ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ذہنی تحریک رونما ہوئی اور اس نے رفتہ رفتہ ثقافتِ انسانی کے تمام شعبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ ساختیات نے ادب کے نظام کا ایسا ماڈل وضع کرنے کا خواب دیکھا جو ادبی متن کے مطالعے کے لیے جامع شعریات کا کام دے سکے ۔ زبان کے مطالعے سے اوپر اٹھ کر یہ ادب کے مطالعے کے ان اصولوں کی دریافت اور ان کے تعین کی سعی تھی ، جو نہ صرف انفرادی متون میں بلکہ ادبی متون کے باہمی رشتوں میں بھی کارفرما ہوں

ساختیات بطور اصطلاح

ارسطو کے زمانے سے اب تک ادب میں کسی نہ کسی طور پر ساخت (structure) کا احساس رہا ہے ۔ فن پارے کی ماہیت سے بحث کرتے ہوئے ساخت کا تصور مختلف زمانوں میں مختلف رہا ہے ۔ ژاں پیاژے (Jean Piaget) کا کہنا ہے کہ ریاضی ، منطق ، طبیعیات ، حیاتیات اور سماجی علوم میں ساخت (structures) کا تصور ایک مدت سے رائج رہا ہے ، چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ ان علوم میں ماہر

بشریات لیوی سٹراس سے بہت پہلے ساخت کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ بہرحال اگر ایسا ہے تو پھر فرانسیسی ساختیات نے یک لخت سب کی توجہ کو کیوں اپنی طرف منعطف کرلیا، اس میں کچھ ایسی فکری مرکزیت تو ہوگی کہ چھٹی دہائی کے بعد یہ فلسفہ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گیا اور ساختیات کے نام سے فکر و دانش کی ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا۔

لیوی سٹراس نے سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ Word میں شائع ہوا، توجہ دلائی کہ ساختیاتی لسانیات کے ماہرین جس 'صوتیاتی انقلاب' کی نوید دے چکے ہیں، اس کے طریقہ کار اور تصورات سے بشریات میں بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے اور نئے امکانات کی جستجو کی جاسکتی ہے۔ بعد میں اپنی شہرہ آفاق کتاب :

Anthropologie Structurale (Paris 1958)

میں لیوی سٹراس نے نہایت بصیرت افروز اور فکر انگیز مطالعات پیش کیے۔ لیوی سٹراس کے اس بنیاد گزارانہ کام کے بعد گویا جستجو اور غور و فکر کی ایک نئی راہ کھل گئی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا فکرِ انسانی کے لیے اس ماڈل کی اہمیت واضح ہونے لگی۔

ساختیات بنیادی طور پر ادراکِ حقیقت کا اصول ہے، یعنی حقیقت یا کائنات ہمارے شعور و ادراک کا حصہ کس طرح بنتی ہے، ہم اشیا کی حقیقت کو انگیز کس طرح کرتے ہیں، یا معنی خیزی کن بنیادوں پر ہے اور معنی خیزی کا عمل کیوں کر ممکن ہوتا ہے اور کیوں کر جاری رہتا ہے۔ ساختیات میں ساخت کا تصور جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی سوسیئر سے ماخوذ ہے جہاں زبان کی ساخت سے مراد زبان کے مختلف عناصر کے درمیان رشتوں کا وہ نظام ہے جس کی بنا پر زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ویسے سوسیئر کے یہاں لسانیات ایک وسیع تر علم نشانیات (Semiology) کا حصہ ہے۔ سوسیئر کہتا ہے کہ کائنات میں معنی خیزی ممکن ہے نشانات (Sign System) کے نظام کی وجہ سے جس میں ہر شے باہمی رشتوں میں گندھی ہوئی ہے۔

یہ رشتے دو طرح نوعیت کے ہیں یعنی ارتباط کے بھی حامل ہیں اور تضاد پر بھی مبنی ہیں۔ رشتوں کے اس نظام کے تفاعل سے معنی قائم ہوتے ہیں اور اشیا کی پہچان ممکن

ہو پاتی ہے۔ نشانیات کی سعی و جستجو کا بڑا میدان ثقافت ہے۔ ثقافت کے ہر ہر مظہر کی تہہ میں تجریدی رشتوں کا ایک نظام کارفرما ہے جس کی بدولت معنی خیزی کا تفاعل جاری رہتا ہے۔ زبان تو ثقافت کی مرکزی مظہر ہے ہی، پرانے قصے کہانیاں، متھ، اساطیر، دیومالا، رسم و رواج، رشتہ داریاں، رہن سہن، خورد و نوش، آرائش و زیبائش، نشست و برخاست، ادب آداب، طور طریقے، تیج تہوار، میلے ٹھیلے، کھیل تماشے وغیرہ ثقافت کے بیسیوں زمرے ہیں۔ ہر زمرے میں عناصر کے پس پشت رشتوں کا ایک نظام ہے جس کے تفاعل سے معنی کی ترسیل ہوتی ہے۔ گویا عناصر میں رشتوں کا نظام جو نوعیت کے اعتبار سے تجریدی ہے اور جو ارتباط و تضاد کے دوہرے تفاعل کا حامل ہے، اور جس کی بدولت معنی قائم ہوتے ہیں، ساخت Structure کہلاتا ہے۔ (واضح رہے کہ ساخت کا یہ تصور 'نئی تنقید' کے (Structure) اور Texture کے تصور سے بالکل ہٹ کر ہے۔ نیز اس سے مراد ہیئت یا ڈھانچا بھی ہرگز نہیں)۔

غرض ثقافت یا زبان یا ادب کے کسی مظہر یا زمرے کی ساخت سے مراد اس مظہر یا زمرے کے عناصر کے مابین تجریدی رشتوں کا وہ نظام ہے جس کے ذریعے معنی قائم ہوتے ہیں اور معنی خیزی ممکن ہوتی ہے۔ رشتوں کے اس نظام یا ساخت کی خصوصیتِ خاصہ یہ ہے کہ اس میں ہر لحظہ خود نظمی اور خود ارتباطی کا عمل جاری رہتا ہے، اور ہر تغیر و تبدل یا اضافے کے بعد ساخت اپنی وضع کو پھر پالیتی ہے اور ہر لحظہ مکمل اور کارگر رہتی ہے۔ ساخت تاریخ کے اندر ہے، لیکن چونکہ ہر لحظہ مکمل اور کارگر ہے، اس لیے خود مختار بھی ہے۔

ساخت کا تصور چونکہ تجریدی تصور ہے، اس کی وضاحت آسان نہیں۔ تاہم اس کے بنیادی نکتے کو ایک چھوٹی سی مثال کی مدد سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہ اس تصور کو غیر معمولی طور پر سہل کرنا ہوگا، لیکن تفہیم کے لیے اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔ یہ مثال سگنل یا ٹریفک بتی کی ہے۔ ٹریفک بتی میں تین رنگ ہوتے ہیں: سبز، سرخ اور زرد۔ سبز سے ہم 'جائیے'، سرخ سے 'رکیے' اور زرد سے سبز کے بعد 'رکنے کے لیے تیار' اور سرخ کے بعد 'جانے کے لیے تیار' مراد لیتے ہیں۔ یہ ان رنگوں کا عام

مفہوم نہیں ہے۔ مختلف ثقافتوں میں مختلف رنگوں کے مختلف معنی ہیں۔ سبز سے بالعموم زرخیزی اور نمو مراد لی جاتی ہے، اور سرخ سے مسرت، بہجت، شادمانی وغیرہ لیکن ٹریفک بتی میں ان رنگوں سے جو کچھ مراد لیا جاتا ہے وہ ان معنی سے بالکل ہٹ کر ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو سرخ رنگ کا کوئی فطری یا لازمی رشتہ 'رکیے' سے یا سبز رنگ کا کوئی فطری یا لازمی رشتہ 'جائیے' سے یا زرد کا 'محتاط رہیے / تیار رہیے' سے نہیں ہے۔ گویا سرخ یا سبز یا زرد رنگ فی نفسہٖ کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ معنی دراصل اس رشتے سے پیدا ہوئے ہیں جو یہ رنگ ٹریفک بتی میں آپس میں رکھتے ہیں اور یہ رشتہ ربط کا بھی ہے اور تضاد کا بھی۔ یعنی سبز، سرخ، زرد ایک رشتے میں گندھے ہوئے تو ہیں ہی، لیکن یہ تینوں ایک دوسرے سے تضاد میں بھی ہیں۔ لہٰذا سبز سے مراد 'جائیے'، اسی لیے ممکن ہے کہ سبز، سرخ یا زرد نہیں، سرخ سے مراد 'رکیے' اسی لیے ممکن ہے کہ سرخ، سبز یا زرد نہیں اور زرد سے مراد 'محتاط' اسی لیے ممکن ہے کہ زرد، سبز یا سرخ نہیں۔ ٹریفک بتی کے ان تینوں رنگوں میں آپس میں جو رشتہ ہے، اور اس رشتے کے نظم کی جو تجریدی فارم ہے، رشتوں کا یہ نظم یا ان کی تجریدی فارم ساخت (Structure) ہے۔ پس ثابت ہوا کہ رنگوں کے معنی ساخت سے پیدا ہوتے ہیں جس میں وہ واقع ہیں، ورنہ کوئی رنگ فی نفسہٖ معنی نہیں رکھتا۔

دوسرے لفظوں میں اس نظام میں کوئی بھی 'نشان' آزادانہ معنی نہیں رکھتا، بلکہ وہی معنی دیتا ہے جو اس معنیاتی نظام (/سرخ = رکیے/ سبز = جائیے/ زرد = محتاط) کے اندر اس کو حاصل ہے، لہٰذا 'نشان' اور 'معنی' کا رشتہ من مانا یا خود ساختہ (arbitrary) ہے کیونکہ نشان 'سرخ' اور اس کے معنی 'رکیے' میں کوئی فطری رشتہ نہیں، خواہ یہ رشتہ کتنا ہی فطری کیوں نہ معلوم ہو۔ یہی معاملہ زبان کے جامع لسانی نظام اور اس کے اندر لفظوں کے عمل کا ہے۔ زبان دنیا کے نظامِ نشانات میں سے محض ایک نظام ہے (اکثر مفکرین کا کہنا ہے کہ زبان بنیادی نظامِ نشانات ہے۔) پس واضح ہوا کہ ساختیات اور سیمیالوجی کی نظریاتی بنیاد ایک ہی ہے۔ یعنی نشان فی نفسہٖ ... نہیں رکھتا، بلکہ جامع نظام میں رشتوں کی وجہ سے بامعنی بنتا ہے۔

لسانیاتی فکر سے رشتہ

جدید لسانیات اور نئے علوم کی پیش رفت کی روشنی میں ساختیات کے اس دعوے پر غور کرنا مشکل نہیں ہے کہ وہ حقیقت جس کا ہمیں علم ہے اور جس کو ہم دنیا کہتے ہیں، ایسی آزادانہ اشیا کا مجموعہ نہیں جن کی جانکاری اور درجہ بندی قطعی اصولوں کی مدد سے کی جاسکے۔ گویا دنیا میں اشیا کے نام یعنی لفظ جن کی مدد سے ہم اشیا کو جانتے اور پہچانتے ہیں، فی نفسہٖ کوئی قطعی (Absolute) حیثیت نہیں رکھتے۔ اشیا کا وجود صرف اس قدر ہے جس قدر ہم ان کا الگ سے تصور کرسکیں یا ان کو الگ سے پہچان سکیں اور اس پہچان کا انحصار چند در چند عوامل پر ہے، جن کی وجہ سے حقیقت کی کلی معروضیت ناممکن ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم حقیقت کا ادراک صرف اس قدر کر پاتے ہیں جس قدر ہم حقیقت کی پہچان کو زبان کے ذریعے خلق کرسکتے ہیں۔ نتیجتاً حقیقت کا ہمارا ادراک دراصل اس رشتے سے عبارت ہے جو جاننے والے کے ذہن اور حقیقت کے درمیان ہے۔ ساختیات کی رو سے حقیقت کے ادراک کا اصل الاصول یہی رشتہ ہے۔ مزید برآں کوئی بھی شے یا تجربہ فی نفسہٖ اپنی پہچان نہیں رکھتا بلکہ کسی بھی شے یا تجربے کا ادراک رشتوں کے اس مجموعے (Set of Relations) یعنی اس ساخت (Structure) کے ذریعے ہوتا ہے جس کا وہ خود ایک حصہ ہے۔

اس نظریے کی رو سے پہچان کا عمل، یعنی نشانات کا تفاعل جن کے ذریعے معنی پیدا ہوتے ہیں، دراصل اس سے کہیں زیادہ وسیع اور پیچیدہ ہے جتنا عام طور پر دکھائی دیتا ہے۔ مثال کے طور پر تمام سماجی سرگرمی اور انسانی کارکردگی دراصل حقیقت کے ادراک کے بارے میں رشتوں کی نشان سازی (Sign making) کے اسی عمل کا نتیجہ ہے۔ نشان (Sign) سے مراد صرف لفظ نہیں بلکہ کوئی بھی چیز یا مظہر جس سے ثقافت میں ترسیلِ معنی کا کام لیا جاتا ہو، مثلاً تصویر، نقشہ، شبیہ یا کوئی بھی شکل یا شے خواہ فطری ہو یا مصنوعی، اگر معنی کی ترسیل کے لیے استعمال کی جاتی ہے تو وہ نشان ہے۔ مثال کے طور پر وہ پھول جو ویرانے میں کھلتا ہے اور

بغیر دیکھے مرجھا جاتا ہے، نشان نہیں ہے۔ لیکن یہی پھول جب گُل دستے، گجرے یا ہار کا حصہ بنتا ہے تو ثقافتی اعتبار سے بامعنی ہو جاتا ہے، اور بطور نشان استعمال ہوتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو فی نفسہٖ پھول کسی چیز پر دلالت نہیں کرتا، پھول کو اس کے معنی ثقافت کی رو سے حاصل ہوتے ہیں۔ ماہرِ بشریات لیوی سٹراس کا زیادہ تر کام ان اصول و ضوابط کی تحقیق پر مشتمل ہے جن کی بدولت انسانی سماج میں نشان سازی کا عمل جاری و ساری ہے۔ زبان خواہ وہ بولی جائے یا لکھی جائے، نشان سازی کے ان گنت مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، اور ادب اس مظہر کا مظہر ہے۔ یعنی ادب نشان سازی کے عمل کا مظہر در مظہر۔ غرض حقیقت کے فہم و ادراک میں ذہنِ انسانی کے عملِ نشان سازی کی وسعت اور کارکردگی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ادب اس کے مظاہر کی صرف ایک جہت کا مظہر ہے۔

سوسیئر نے ایک انقلاب آفریں بات یہ ثابت کی کہ زبان کے 'نظام' (System) کو عام بولی جانے والی زبان سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں ایک نہیں۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ بعد میں جدید لسانیات کی ساری ترقی اس بنیادی فرق پر قائم ہے۔ اور ساختیات کا سفر بھی اسی سمت میں ہے۔ سوسیئر اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے دو اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ ایک کو وہ لانگ کہتا ہے اور دوسری کو
سے اس کی مراد کسی زبان کا تجریدی نظام ہے جس کی رو سے وہ زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے اور پارول سے مراد بولی جانے والی زبان یا زبان کا فی الواقعہ استعمال، یا تکلم ہے جو کسی بولنے والے شخص کی دسترس میں ہے۔
زبان کا نظامِ محض ہے۔ اصول و ضوابط کا ذہنی تصور جو غیر شخصی ہے اور جو زبان کے ہر ہر استعمال کا سرچشمہ ہے، جب کہ (Parole) اس کا وہ فی الواقعہ استعمال ہے جو روزمرہ تکلم میں رونما ہوتا ہے اور اصلاً زبان کے کلی تجریدی نظام سے ماخوذ ہے۔ زبان کے نظام اور اس کے فی الواقعہ استعمال میں خلط ملط کرنا نہایت آسان ہے۔ مثلاً جب ہم بات چیت کر رہے ہوں تو بالعموم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اردو بول رہے ہیں۔ بے شک ہم اردو بول رہے ہیں، لیکن جو کچھ ہم بول

رہے ہیں وہ اردو کے چند جملے ہیں، اردو زبان کا کل نظام نہیں ہے۔ زبان کا کل نظام نوعیت کے اعتبار سے تجریدی ہے، اور زبان کا کوئی بھی فی الواقعہ استعمال یا جملے (خواہ وہ تکلم ہو یا تحریر) اس 'نظام' کی رو سے خلق ہوتے ہیں۔ خواہ ہمیں اس کا احساس نہ ہو۔ ساختیاتی فکر و جستجو کا مقصود بھی صرف ایک واقعہ یا فن پارہ نہیں، بلکہ وہ جامع تجریدی نظام (Abstract system) ہے جس کی رو سے ادب میں ہر ہر واقعہ (Event) یا فن پارہ وضع ہوتا ہے، اور جو اس تمام حقیقت کا سرچشمہ ہے جو انسان کی دنیا میں حقیقت کے طور پر جانی اور پہچانی جاتی ہے۔ گویا ادب کی کسی مثال یا فن پارے کا مطالعہ ساختیاتی فکر و جستجو کا موضوع اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے اس جامع ذہنی نظام کی نوعیت یا اصل الاصول معلوم ہو سکے جو تمام حقیقت انسانی اور اس کے فنی اور ثقافتی ظواہر پر حاوی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس فکر کا اطلاق ادب پر اس لیے ہوتا ہے کہ ادب کی 'گرامر' کی جستجو کی جائے تاکہ زبان کے جامع تجریدی نظام کی طرح ادب کی اس جامع تجریدی شعریات کو دریافت کیا جا سکے جس کی بدولت ذہن انسانی ادب کو بطور ادب جانتا اور پہچانتا ہے۔

سوسیئر کے فلسفۂ لسان کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ سوسیئر نے اس خیال کو ہمیشہ کے لیے رد کر دیا کہ زبان لفظوں کے ایسے مجموعے کا نام ہے جس کا بنیادی مقصد اشیا کو نام دینا ہے۔ سوسیئر کے فلسفے کی رو سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ لفظ ایسے مظہر ہیں جو اشیا سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ لفظ محض نشان (Sign) ہے خواہ یہ بولا جائے یا لکھا جائے۔ جو دو طرفوں پر مشتمل ہے (کاغذ کی دو طرفوں کی طرح)۔ نشان کی ایک طرف کو وہ Signifier 'معنی نما' کہتا ہے، دوسری طرف کو Signified 'تصورِ معنی' کا نام دیتا ہے۔ زبان کے جس تصوّر کو سوسیئر نے رد کر دیا، اس کو یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے:

Word = Thing

لفظ = شے

اس کے بجائے سوسیئر زبان کے جس ماڈل کو پیش کرتا ہے، وہ یوں ہے:

Sign = Signifier / Signified

معنی نما

نشان = تصورِ معنی

ظاہر ہے سوسیئر کے اس ماڈل میں 'شے' کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یعنی زبان میں لفظ معنی رکھتے ہیں، اس لیے نہیں کہ لفظ کا شے سے ایک اور ایک کا رشتہ ہے بلکہ اس لیے کہ لفظ رشتوں کے جامع نظام کا حصّہ ہیں :

'Part of a system of relations'

اور زبان میں معنی رشتوں کے اس جامع نظام کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔

سوسیئر نے زبان کے بارے میں جس بصیرت سے فلسفے کو مالامال کر دیا، اسے اس کے ایک قول سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے :

'Language is a form, not a substance'

یہ وہ بنیاد ہے جس کے بغیر نہ لیوی سٹراس کا کام ممکن تھا، نہ لاکاں، بارتھ اور فوکو کا اور نہ آلتھیوسے کا۔ ساختیات اس موضوعۂ اصلی (Premise) پر قائم ہے کہ کوئی بھی ثقافتی یا ادبی نظام کسی خودکفیل جوہر (Essence) پر مبنی نہیں، بلکہ یہ تفریقی رشتوں کی رو سے کارگر ہوتا ہے جو باہم دگر مربوط بھی ہوتے ہیں اور مختلف بھی۔

ساختیات میں پورے نظام کا تصوّر ایک درجہ وار سلسلے (Hierarchy) کے طور پر کیا جاتا ہے، جس میں ہر درجے یا سطح پر انھیں اصولوں کی عمل آوری سے زیریں سطح کے عناصر اپنے ربط و امتیاز سے سلسلہ در سلسلہ ذیلی رشتوں اور معنی کے روابط کو پیدا کرتے ہیں۔ یہ کلّی نظام رشتوں اور تہہ دار ساختوں کے زیریں نظام (Infra structure) کے سوسیئر کے Langue کے تصور یعنی زبان کے کلی تجریدی نظام کے تصوّر سے مشابہ ہے۔ کسی بھی ثقافت سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص اپنی روزمرہ زندگی میں اس نظام کو سمجھتا اور اس کو برتتا ہے اور اس کی رو سے زندگی بسر کرتا ہے، لیکن یہ نظام جس طرح عمل آرا ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ برتنے والا اس کا شعوری احساس بھی رکھتا ہو۔ ساختیات کا کام کسی مخصوص ثقافتی تناظر میں کسی بھی ثقافتی مظہر

(ادبی تنقید کے ضمن میں ادب یا ادبی فن پارہ) کے تجزیے سے اس کے اندرون کو اس طرح بے نقاب کرنا ہے جس سے تہہ دار ذیلی ساخت میں جو کچھ پوشیدہ (Implicit) ہے وہ ظاہر (Explicit) ہو جائے۔ ثقافت کے عام تصور کو اگر ایک کلی نظام کے تجریدی تصوّر کے طور پر وسعت دی جائے جو مذہب، تہذیب و تمدن، اساطیر و حکایات، سیاسی نظام، رہن سہن، معاشرت، زبان اور ادبی روایت کے تمام موجود اور ممکنہ امکانات پر حاوی ہو، تو ثقافت کا یہ کلی تصور سوسیئر کے تجریدی تصورِ زبان یعنی Langue کے نظریاتی ماڈل کے مماثل ہوگا۔ اس کے مقابلے میں کوئی ایک مظہر یا فن پارہ (یعنی ناول، افسانہ، شعر) انفرادی تکلم Parole کے مماثل ہے۔ گویا جو رشتہ Langue اور Parole میں ہے، اس نوع کا رشتہ ثقافت کے کلی تصور اور ادب کی کسی بھی مثال میں ہے۔ ساختیات کی رو سے اگر ادبی روایت کا تصوّر بھی ایک ایسے کلی نظام کے طور پر کیا جا سکے جو ادبی روایت کے کلی سرمایہ اور ادبی روایت کے ممکنہ امکانات سب پر حاوی ہوں، یعنی ماضی، حال، استقلال سب اس تجریدی نظام کی زد میں آ سکیں تو جو ربط Langue اور (Parole) میں ہے، یا جو ربط کسی بھی ثقافت کے کلی تصور اور اس کے کسی بھی ثقافتی مظہر میں ہے، وہی ربط ادبی روایت کے کلی تصور اور اس کے کسی ادبی مظہر (یعنی فن پارے) میں دیکھا اور دکھایا جا سکتا ہے۔ غرض ساختیات کے ابتدائی برسوں میں یہ خیال عام تھا کہ ادب کی جامع شعریات کی بازیافت سائنسی طور پر ممکن ہے۔

سوسیئر کے فلسفۂ لسان اور ساختیات کا رشتہ نہایت گہرا اور پیچیدہ ہے۔ یہاں مختصراً بعض باتوں کی طرف اشارے کیے گئے۔ مزید تفصیل دوسرے باب میں آئے گی جسے تمام و کمال اسی موضوع کے لیے وقف کیا گیا ہے۔

تنقیدی دبستان اور ساختیات

ادبی نظریات اور تنقیدی دبستانوں کے تناظر میں ساختیات کے نئے دبستان کی فکری نہج کیا ہے، اس کو سمجھنے کے لیے رومن جیکب سن کے ذیل کے نقشے سے مدد لی جا سکتی ہے

Context

Addresser _____ Message _____ Addressee

contact

Code

تناظر

مخاطِب _____ خبر _____ مخاطَب

رابطہ

لسانی نظام

مخاطِب یعنی بولنے والا شخص جس شخص سے بات کرتا ہے، یعنی مخاطَب کو کوئی ' پیغام ' بہم پہنچاتا ہے۔ یہ پیغام کسی 'کوڈ' یعنی لسانی نظام کے ذریعے ہی دیا جاسکتا ہے، (لسانی نظام جس کو مخاطِب اور مخاطَب دونوں سمجھتے ہوں) ہر پیغام کسی نہ کسی 'تناظر' میں دیا جاسکتا ہے۔ نیز یہ پیغام کسی 'رابطہ' کے ذریعے دیا جاتا ہے (مثلاً بول چال/ تحریر/ٹیلی فون/ فلم) ادب سے بحث کرتے ہوئے 'رابطہ' کا مزید ذکر غیر ضروری ہے کیونکہ ادب میں رابطہ تحریر یا کتاب ' یعنی چھپے ہوئے لفظ یا بولے ہوئے لفظ کے ذریعے ہوتا ہے۔ سو اب اس نقشے کو دوبارہ یوں پیش کیا جاسکتا ہے :

Context

Writer _____ writing _____ Reader

Code

تناظر

مصنف متن قاری

لسانی نظام

بقول رومن جیکب سن اس نقشے کا ہر عنصر کچھ نہ کچھ لسانی تفاعل رکھتا ہے جس کو یوں ظاہر کرسکتے ہیں :

Referential

Emotive _____ Poetic _____ Connotative

Metalinguistic

تاریخی

جذباتی ——— شعری ——— تعبیری

مافوق لسانی

یعنی اگر مصنف کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ادب کا 'جذباتی' پہلو سامنے آئے گا۔ اگر تناظر پر نظر رکھی جائے تو 'تاریخی سماجی پس منظر' کی اہمیت واضح ہوگی۔ اگر متن پر توجہ کریں تو 'ہیئتی' پہلو نمایاں ہوگا۔ اسی طرح قاری کے نقطۂ نظر سے 'تعبیری' پہلو کو اہمیت حاصل ہوگی۔ البتہ اگر پانچویں عنصر یعنی 'مافوق لسانی' پہلو پر توجہ مرکوز کریں تو اس لسانی نظام کو مرکزیت حاصل ہوگی جس کی رو سے معنی خیزی ممکن ہے۔ غرض ادب کے مختلف نظریے لسانی عمل کے مختلف پہلوؤں پر زور دیتے ہیں رومن جیکب سَن کے اس بنیادی ماڈل کی ایک چوتھی قرأت بھی ممکن ہے جس میں ادبی تنقید کے تمام دبستان سمٹ آتے ہیں، اور نہ صرف ان سب کے محرکات اور امتیازات کھل کر بیک نظر سامنے آجاتے ہیں، بلکہ ساختیات کی الگ حیثیت بھی واضح ہوجاتی ہے:

Marxist

Romantic _____ Formalistic _____ Reader oriented

Structuralist

مارکسی

رومانی ——— ہیئتی ——— قاری اساس

ساختیاتی

یعنی اگر مصنف کو بنیاد بنا کر ادب کا مطالعہ کیا جائے تو تنقید کا 'رومانی نظریہ' وجود میں آتا ہے۔ اگر فن پارے/ متن کو بنیاد بنایا جائے تو 'ہیئتی نظریہ' وجود میں آتا ہے۔ تاریخی تناظر پر زور دینے سے 'مارکسی نظریہ' مستنبط ہوتا ہے، نیز اگر قاری اور قرأت

کے تفاعل کو بنیاد بنایا جائے تو تنقید کا ' قاری اساس نظریہ' وجود میں آتا ہے۔ برخلاف ان چاروں نظریوں کے ' ساختیاتی نظریہ' اس کوڈ یا مافوق لسانی نظام کو بنیاد بناتا ہے جس سے کل معنیاتی نظام متشکل ہوتا ہے۔ بلاشبہ ادبی مطالعے میں ان میں سے کوئی بھی نظریہ لسانی کارکردگی کے دوسرے پہلوؤں کو یکسر نظر انداز نہیں کر سکتا، لیکن ہر نظریے کی اپنی الگ الگ فکری اساس ہے جو اس ماڈل سے واضح ہے۔ (دوسرے تمام ادبی نظریے ان نظریوں کا حصہ ہیں یا ان کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں)۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ساختیاتی فکر نے ماضی کے بہت سے مبنی برعقلِ عام (Common sense) اعتقادات کو صدمہ پہنچایا ہے۔ صدیوں سے یہ خیال چلا آرہا تھا کہ ادب مصنف کے تخلیقی ذہن کا کارنامہ ہے۔ یا ادب اظہارِ ذات ہے، یا متن وہ تخلیق ہے جو مصنف کے وجود اور اس کے ذہن و شعور کی زائیدہ ہے، یا یہ کہ ادب حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے۔ ساختیات ان میں سے کسی بات کو اس طرح تسلیم نہیں کرتی۔ اس کا اصرار ہے کہ حقیقت فقط اسی قدر ہے جس قدر ہم اس اپنے لسانی نظام سے انگیز کر سکتے ہیں۔ رولاں بارتھ کا کہنا ہے کہ مصنف کو صرف یہ توفیق حاصل ہے کہ وہ پہلے سے موجود لسانی اور ادبی خزانوں کو کھنگالتا ہے۔ اخذ و قبول کرتا ہے، اور چلی آرہی روایت کو نئی شکل دیتا ہے۔ مصنف اپنا ' اظہارِ محض' نہیں کرتا، کوئی تخلیق خلا میں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ مصنف پہلے سے موجود روایت کے سرچشموں سے فیضان حاصل کرتا ہے اور ' ثقافت اور زبان کی لغت' سے استفادہ کرتا ہے جو ہمیشہ پہلے سے لکھی ہوئی موجود ہے:

'Which is always already written'

ایسے تمام ادبی نظریات کو جو ذہنِ انسانی کو معنی کا سرچشمہ اور ماخذ قرار دیتے ہیں، ساختیات رد کرتی ہے، اس کا اصرار ہے کہ معنی کا سرچشمہ باقاعدہ ثقافتی اور لسانی نظام ہے جو ہر وقت موجود ہے۔ اور ادب میں تمام معنی خواہ وہ پرانے ہوں یا نئے اسی نظام کی رو سے تشکیل پاتے ہیں، یعنی ذہنِ انسانی معنی کی ' پہچان' اور ان کو ردو قبول کرنے، نیز نئی شکل دینے کا وسیلہ ہے، یہ معنی کو از خود پیدا نہیں کرتا۔

غرض ساختیاتی تنقید (Structural criticism) سے مراد وہ تنقید ہے

جس میں ادب کا مطالعہ ان تصورات کی رو سے یا اس نظریاتی ماڈل کی بنا پر کیا جاتا ہے جس کی ایک جھلک اوپر پیش کی گئی۔ ساختیاتی تنقید کے دبستان میں روسی ہیئت پسندوں (Russian formalists) کو بھی شامل سمجھا جاتا ہے۔ بعد میں ساختیات کو فروغ دینے والوں میں یورپی، بالخصوص فرانسیسی مفکرین اور ادیب پیش پیش رہے ہیں۔ اگرچہ ساختیاتی مفکرین کی زیادہ توجہ نظریہ سازی پر رہی ہے، تاہم ساختیاتی تنقید جیسے جیسے ترقی کرتی گئی، اس کے نام نے قولِ محال کی سی صورت پیدا کردی۔ ساختیات نے ادبی تنقید میں اپنے جس فوری پیش رو کو بے دخل کیا، وہ 'نئی تنقید' (New criticism) ہے۔ اس لیے شروع میں ساختیاتی تنقید کو 'نئی نئی تنقید' (New new criticism) بھی کہا جاتا رہا۔ اور متعدد مبصرین 'نئی تنقید' کے لیے 'پرانی نئی تنقید' کی اصطلاح استعمال کرتے رہے۔ بہرحال ساختیات نہ صرف تنقید کے نقالی والے نظریے (Mimetic criticism) (یعنی ادب بنیادی طور پر حقیقت کی نقل ہے) کے خلاف ہے، بلکہ یہ تنقید کے اظہاری نظریے (Expressive criticism) (یعنی ادب بنیادی طور پر مصنف کی ذات کا اظہار ہے) کے بھی خلاف ہے۔ نیز 'نئی تنقید' (New criticism) یا ہیئتی تنقید کے اس موقف کے بھی خلاف ہے کہ فن پارہ خود مکتفی ملفوظی نظام رکھتا ہے اور فن پارے کی بحث فقط چھپے ہوئے لفظ تک محدود رہنا چاہیے۔

ہیئتی تنقید میں بالعموم معنی اور مواد سے کم سروکار رکھا جاتا ہے۔ ہیئتی تنقید چونکہ متن سے باہر دنیا سے کم تعلق رکھتی ہے، وہ متن سے باہر ثقافتی دنیا اور ادبی نظام سے باہر ثقافتی نظام کو بھی خاطر میں نہیں لاتی۔ اگرچہ ساختیاتی رویے میں متن اور متن کے نظام کی ہیئت ضرور زیرِ بحث لائی جاتی ہے، لیکن ساختیاتی فکر اس رویے کی مخالف ہے کہ متن کے خصائص مقید اور خودکفیل ہیں، بلکہ اس کا اصرار ہے کہ متن نہ صرف بطور ایک نظام کارگر ہوتا ہے بلکہ ادبی نظام وسیع تر ثقافتی نظام کے اندر تفاعل رکھتا ہے۔ گویا بخلاف 'نئی تنقید' کے ساختیات ہیئت میں مقید نہیں، اور وسیع تر معنیاتی نظام کا تصور رکھتی ہے۔

ادبی نقاد کے مجہول کردار کو رد کرنے اور اس کے تفاعل پر اصرار کرنے کی

بہترین مثال رولاں بارتھ کی تصنیف S/Z ہے۔ بارتھ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ادب وہ ہے جو وہ واقعی ہے، یعنی معنی پیدا کرنے کا وہ نظام جو متن اور قرأت کے عمل در عمل سے وجود میں آتا ہے، اور جس کا منصب ہرگز ہرگز پہلے سے طے شدہ معنی (Pre ordained content) کو قاری تک پہنچانا نہیں ہے۔

ساختیات نہ صرف نئی تنقید کو، بلکہ جیساکہ اوپر کہا گیا، تنقید کے ان تمام سابقہ نظریوں کو رد کرتی ہے جو 'معنی محض' یا 'ہیئت محض' سے بحث کرتے ہیں، یا مصنف کی ذات پر زور دیتے ہیں، یا جو 'موضوعیت' کا شکار ہیں، یا جو فن پارے کو وحدانی اور مستقل معنی پہنانے پر اصرار کرتے ہیں۔ ساختیاتی شعریات کی جستجو کے مبلغ جونتھن کلر کا کہنا ہے:

'A poetics which strives to define the conditions of meaning. Granting new attention to the activity of reading, it would attempt to specify how we go about making sense of texts, what are the interpretive operations on which literature itself, as an institution, is based'. (P.VII)

ساختیاتی ماہرین کی بڑی تعداد نے ادبی فن پاروں کا مطالعہ اس طرح کیا ہے کہ ان اصولوں اور ضوابط، یا آنکھوں سے اوجھل ان رشتوں اور روابط کا پتہ چلایا جاسکے جو مل کر ادبی روایت کے تجریدی نظام کی تشکیل کرتے ہیں، اور جن کی وجہ سے کوئی بھی فن پارہ بامعنی بنتا ہے۔ گویا ساختیاتی سرگرمی کا مقصود و منتہا نظروں سے اوجھل اس گرامر کو یا ادب کے ان پوشیدہ اصولوں کو دریافت کرنا تھا جن کی بدولت ادب بطور ادب کے متشکل ہوتا ہے۔ جونتھن کلر کے الفاظ میں ساختیات کی سعی و جستجو اس سمت میں تھی کہ ادب کی ایسی Langue یعنی شعریات مرتب کی جائے جس کا رشتہ انفرادی فن پاروں سے اس طرح کا ہو جیسا Langue کا Parole سے ہوتا ہے۔ ساختیاتی تنقید اس رویے کی موید رہی ہے کہ ادب کا مطالعہ اصناف کی کلی شعریات کے حوالے سے کیا جاسکتا ہے۔ نارتھروپ فرائی کی کتاب:

Anatomy of Criticism (1957)

اس نوع کی اولین کوشش ہے۔

الغرض ساختیاتی تنقید ادبی متن اور ادبی قرأت کی ایسی شعریات وضع کرنا چاہتی تھی جو اُن اصولوں اور قاعدوں کو تجریدی طور پر منضبط کر سکے، جن کی رو سے ادب کی مختلف شکلیں شاعری، ناول، افسانہ وغیرہ وجود میں آتی ہیں اور متعلقہ کلچر سے وابستہ لوگ ان کو پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ جونتھن کلر نے اپنی کتاب :

Structuralist Poetics (1975)

میں اس مسئلے سے مدلّل بحث کی ہے کہ ساختیاتی شعریات اس نظام کے تعین سے عبارت ہے جس کی مدد سے ہم ادبی متن اور قرأت یعنی تفہیم کے عمل کو سمجھ سکیں اور ادبی متن کو اس طرح پڑھ سکیں کہ یہ معلوم ہو سکے کہ لفظ کے ذریعے یہ جہان کس طرح جہانِ معنی بنتا ہے، یعنی معنی سازی کے اس بنیادی ذہنی عمل کو سمجھ سکیں جو انسان کی بطور انسان سب سے بڑی پہچان ہے۔ یہ جستجو آسان نہیں تھی۔ اس کے بہتر نتائج بہر حال وہیں سامنے آئے ہیں جہاں ادبی تنقید اور لسانیاتی فکر میں گہرا تال میل پیدا ہو سکا ہے۔ اس بارے میں رومن جیکب سن کے اس بیان کو نشانِ راہ سمجھنا چاہیے :

'If there are some critics who still doubt
the competence of linguistics to embrace
the field of poetics, I privately believe
that the poetic incompetence of some bigoted
linguists has been mistaken for an inadequacy
of the linguistic science itself. All of us
here, however, definitely realise that a
linguist deaf to the poetic function of
language and a literary scholar indifferent
to linguistic problems and unconversant with
linguistic methods are equally flagrant anachronism.'
("Linguistics and poetics", in sebeok, Ed.,
Style in Language (Cambridge, Mass., 1960, p.377).

پس ساختیاتی فکر

ساختیاتی فکر کی خاص پہچان یہ ہے کہ زبان کا مسئلہ فکرِ انسانی کا خاص مسئلہ ہے، یا زبان کا نظریاتی مسئلہ دوسرے تمام مسائل پر فوقیت رکھتا ہے۔ ساختیات کی رو سے زبان کوئی سادہ شفاف میڈیم نہیں ہے جیسا کہ وہ بالعموم سمجھی جاتی ہے، بلکہ یہ بجائے خود تصوّر ہے، یعنی یہ ایسا شیشہ نہیں جس کے آر پار ہم حقیقت کو دیکھتے ہوں، بلکہ ایسا آئینہ ہے جس کے اندر ہم حقیقت کو نہیں بلکہ حقیقت کے تصوّر کو دیکھتے ہیں۔ زبان تمام ساختیاتی مفکرین کے یہاں مرکزی نقطہ ہے۔ مثال کے طور پر بقول لاکاں زبان کی علامتیت کے سماجی نظام (social order of the symbolic) میں شریک ہونے کا مطلب ہے انسان کا اپنی انفرادیت سے ہاتھ اٹھانا۔ ساختیات کی دلچسپی چونکہ زبان کی علامتیت میں ہے، افراد کی حیثیت اپنے آپ محض واقعات events کی ہوجاتی ہے، یعنی 'لانگ' کے 'پارول' کی۔ نتیجتاً ساختیاتی فکر انفرادیت پسندی (Individualism) اور ہیومنزم کے خلاف [illegible]تی ہے کیونکہ زبان کے عمل میں انسان کی ارادیت یا ماورائیت کو مطلق دخل نہیں ہے۔ 'موضوع' اس میں خود بخود غائب ہوجاتا ہے۔ یوں ہیگلین لازمیت
کا رد بھی لازم آتا ہے، اور فرد 'موضوعیت' سے مبرا ایک غیر [illegible]لم عنصر [illegible] پاتا ہے۔

ساختیات تمام بورژوا فلسفوں کے خلاف بھی اسی لیے ہے کہ [illegible]ب انفرادیت پسندی سے عبارت ہیں جنھوں نے ایک خودغرض، لالچی اور بددیانت طبقے کے اقتدار کو مضبوط کیا ہے۔ ساختیاتی مفکرین میں لاکاں ہوں، بارتھ ہوں، فوکو یا دریدا، ان سب کی فکر میں شدید بورژوا مخالف رویّہ اسی بنیاد پر ملتا ہے۔ [illegible] کبھی کبھی یہ رویہ سوشلسٹ رنگ بھی اختیار کرلیتا ہے۔ لاکاں نے ایغو کی خود [illegible]ت[illegible] کو تہس نہس کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کا کہنا ہے کہ انسانی سائیکی کے بارے میں فرائیڈ کی دریافتیں اس قدر صدمہ آشنا تھیں کہ بعد میں ان کو ناپسندیدہ سمجھ کر دبا دیا گیا۔ لاکاں اِڈ یعنی لاشعور کی ہیجانی خواہشات
پر

جو ایغو کو اقتدار اور استقلال سے محروم کرنے کے درپے رہتی ہیں، خاص توجہ کرتا ہے، اور اس کے فلسفے کی رو سے ایغو زبان کے علامتی نظام میں قائم ہے۔ یہ ایک فرضی تشکیل (Construct) ہے جو عکسی منزل پر پیدا ہوتا ہے اور فرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ کسی مستقل یا محکم تشخص کی اساس رکھتا ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔

یوں موضوعِ انسانی کے تشکیلِ محض ثابت ہونے سے معنی کے وحدانی ہونے کی بنیاد خود بخود متزلزل ہوگئی، کیونکہ اگر ذات محکم تشخص سے عاری ہے اور نوعیت کے اعتبار سے مستقل اور مائل بہ تغیر ہے تو وہ معنی کا مقتدرِ اعلیٰ یا حَکَم کیسے ہوسکتی ہے؟

ساختیات سے پس ساختیات کے انحراف میں موضوعِ انسانی کی بے دخلی اور معنی کے وحدانی ہونے کی بنیاد کا انہدام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ ویسے ساری گنجائشیں سوسیئر کے خیالات میں تھیں۔ پس ساختیات میں سارے تصورات ساختیات کے ہیں سوائے ایک بنیادی نکتے کے اور اس انحراف سے بعد میں بہت سی ترجیحات اور توقعات بدل گئیں۔ اوپر اشارہ کیا گیا کہ سوسیئر کے فلسفۂ لسان میں 'نشان' مجموعہ ہے سگنیفائر اور سگنیفائڈ کا، اور یہ دونوں مل کر بطور وحدت عمل آرا ہوتے ہیں۔ پس ساختیات میں وحدت کا یہ ٹانکا کھول دیا گیا اور معنی کے وحدانی اور معین ہونے کی رہی سہی اساس بھی معدوم ہوگئی۔ یوں تو لاکاں، بارتھ، آلتھیوسے، فوکو سب کی فکر سے معنی کی وحدت کا رد لازم آتا ہے، لیکن وہ شخص جس نے اسے دلیل کی پوری طاقت سے ثابت کیا اور معنی کی تفریقیت کو نظریاتی طور پر قائم کیا اور اس پر اپنے اصولِ قرأت (Deconstruction) یعنی 'ردِ تشکیل' کی بنیاد رکھی، وہ ژاک دریدا ہے۔ اس کے بعد پس ساختیات میں معنی کی وحدت کے بجائے معنی کی تفریقیت کی راہ ہمیشہ کے لیے کھل گئی۔ اگرچہ باقی تصورات وہی رہے لیکن سمت بدل گئی۔ معنی کی وحدت کے تصور کی بدولت ساختیات ایک سائنسی پروجیکٹ تھا۔ اس کی تمام تر توقعات سائنسی تھیں۔ معنی کی وحدت کے چیلنج ہونے سے سائنسی توقعات بھی چیلنج ہوگئیں۔ واضح رہے کہ پس ساختیات کا جھکاؤ تخلیقیت اور تکثیرِ معنی کی طرف ہے جو وحدانی نظم وضبط کے خلاف پڑتے ہیں لیکن پس ساختیاتی فکر میں گریز کے مقامات کو سمجھنے اور مضمرات کو جاننے کے لیے ساختیاتی بنیادوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔ ان بنیادوں کو نظر میں رکھنے کے بعد ہی پس ساختیات اور ردِ تشکیل کی افہام وتفہیم ممکن ہے۔